(آنلاین ایڈیشن)

سازِ سلاسل

(دوسرا حصہ)

مظفر عازم

... 2005 ...

پھول اگاتا ہوں قبر پر اپنی
اپنی میّت کا قدرداں ہوں میں

***

تنگ آغوشِ نوبہار میں ہے — پھول تتلی کے انتظار میں ہے
سینۂ سنگ پر جما سبزہ — گلِ گلشن ہی کیوں شمار میں ہے
اعتبارِ سکوں سفر سے ہے — موج محظوظ رودبار میں ہے
میرے قدموں کی خاکِ خوش آثار — کن ستاروں کے انتظار میں ہے
گرتے پڑتے چلے چلو تو سنو — نغمۂ جاں کہ آبشار میں ہے
قعرِ ظلمات میں ہے آبِ حیات — زمزمِ پاک ریگ زار میں ہے
رفعتیں بانٹتی ہے روحِ ہنر — عازمَ آشفتہ سر قطار میں ہے

*

تکتے رہتے ہیں ہم ستاروں کو — سرد پہنائیوں کے ماروں کو
اب کے جاڑا کڑا کڑا گزرا — اوس ٹھٹھرا گئی شراروں کو
یاد یخ بستہ ہے معاذاللہ — کیسے پہچانیں اپنے پیاروں کو
سانس جلتی رہی خزاں سہتے — آنچ ملتی رہی بہاروں کو
سونی سونی سڑک تھی چشم براہ — شہہ ملی زندہ شہسواروں کو
پیلے چہرے پہ عمر نے لکھا — اس نے سینچا ہے سبزہ زاروں کو
پاؤں دھرتی پہ گاڑ دے عازمَ — کھینچتی ہے ہوا غباروں کو

٭

موجِ خونیں پہ جو سوار ہوئے — زورِ طوفان ہی سے پار ہوئے
گرتے گرتے بنے سمندر ہم — خوش نصیبی سے آبشار ہوئے
جانستانِ چمن رہی شبنم — ہم چراغِ شبِ مزار ہوئے
بادۂ غم سے ایک دن روٹھے — سادگی سے گناہگار ہوئے
عمر بھر برف زار میں پل کر — ایک دن بلبلِ بہار ہوئے

٭

زلفِ جاناں نے رہبری کی ہے — سائے سائے کو روشنی دی ہے
شرم پگھلی ہے برف کے رخ پر — یہ ہوا تو بہار کی سی ہے
ناؤ بے بادباں ہی پار اتری — کس کے آنچل نے یہ ہوا دی ہے
ایک پہلو میں چاند اترا ہے — ایک پہلو میں رات سوئی ہے
دھوپ یہ دھوپ رشکِ شبنم ہے — اس تمازت نے تازگی دی ہے
بوجھ بوسوں کا ہے پپوٹوں پر — یہ ادا نیند کی پری کی ہے
اہلِ دنیا کو شکوہ ہے ہم سے — بات کیوں ان سے سرسری کی ہے
اف طبیعت بفکر شعر و وطن — موج زن بھی، بجھی بجھی بھی ہے
سانس حوا کے حسنِ باطن کی — دھن ہماری ہوا کی بیٹی ہے
بتِ طنازِ شعرِ اردو سے — ہم نے پیری میں عاشقی کی ہے
چشمِ نرگس کے دیدۂ تر سے — فکر عازمؔ نے سرخوشی پی ہے

*

مری زبانِ تمنا پہ 'کاش' آتا ہے — تو دشتِ کون و مکاں اور پھیل جاتا ہے
مرا قلم بھی اسی تیشہ کے قبیل سے ہے — کہ سنگ پر جو گرے تو صدا اگاتا ہے
سلگ کے آئی ہے کس کے نفس کی گرمی سے — کلی کو بادِ صبا سے حجاب آتا ہے
شبابِ شب میں جو گلگشت کا خیال کروں — تو لالہ صحنِ چمن میں دیا جلاتا ہے
رہِ طلب میں جو آتے ہیں خار زارِ ستم — جِلو میں تیری وفا کا گلاب آتا ہے
فرازِ بام دلِ زندہ کی تلاش میں ہے — خوشا نصیب کہ ہم پر نظر جماتا ہے
کبھی جبیں کے پسینے سے گلستاں ہوگا — جو ریگزار کہ پیاسا ہے بلبلاتا ہے
بوہمِ کربِ خزاں ہے اداس بھی عازمؔ — بمدحِ بادِ بہاراں غزل بھی گاتا ہے

*

سازِ ارماں پہ سوگئی سرگم — دشتِ امکاں ہے داغِ ملکِ عدم
نیند اڈنے لگی سمندر میں — اونگھتا ہے امس کا یہ عالم
وادئ نجد میں ہے عالمِ ہو — ناقۂ قیس کا ہے ناک میں دم
شب کی آغوش میں سسکتے ہیں — رتجگوں کی رُتوں کے لطف و کرم
قصرِ تخئیل کی بجھی شمعیں — فکرِ کے گستاخ کے نگوں پرچم
بند آنکھوں میں منجمد آنسو — زخمِ دل پر نمک نمک مرہم
داغِ لالہ سے اٹھ رہا ہے دھواں — پھیر لے آنکھ نرگسِ سرخم
قہقہے کی جبیں پہ قشقہ ہے — بتکدے میں ہے آج ضبطِ حرم
اے قرارا! اور زیرِ بار نہ کر — ٹوٹ جائے گا زندگی کا بھرم
کان کھولو کہ آج مہرِ سکوت — دستِ عازمؔ میں ہے بجائے قلم

*

تیر اپنی تڑپ میں ہے نہ بام اپنی طلب میں
خم پشت کماندار ہے، سیدھی ہے کماں آج

شرمندہ جہنم ہے شرر خوار دھویں سے
یخ بستہ ہے تسنیم گلستانِ جناں آج

قمری کو بھی اپنی ہی صدا طوق گلو ہے
بلبل کا بھی دم بستہ دہکتا ہے دہاں آج

نم آنکھ نہیں کیسے بھڑک پائیں گے شعلے
یادیں ہیں خدا جانے گرفتار کہاں آج

دن روئے منور ہے، نہ شب گیسوئے مشکیں
بے کیف و گراں بار ہے رفتارِ جہاں آج

انگار گرفتار ہے پتھر کے جگر میں
اور تیشۂ بیزار ہے عازمؔ کا بیاں آج

*

جی نہ جلا، بے باک بہک
ناچ اے مست نظر انتھک

رات کی چپ کو توڑے تو
دل دیکھیں تیری دھک دھک

پرچھائیں پر مرنے کو
آنکھ اڑی آئینے تک

راہی دل نے گواہی دی
کچھ دیر اس بستی میں بھٹک

اس پردیس کی مٹی میں
دیس کے پھولوں کی ہے مہک

اس کے برق سواروں کے
زیرِ نگیں ہے دورِ فلک

جیون دھارا جوبن پر
روح کا سودا تن کی کسک

کل کی پیاس کو کیا دوگے
پگلے بالک! یوں نہ بلک

عازمؔ کی آشفتہ غزل
شامِ سفر کی شوخ لہک

*

اف یہ نیلی فضا یہ چنچل من
پھر وہی تیر پھر وہی تڑپن

پھر وہی پیاس پھر سراب وہی
پھر وہی چاہ پھر وہی الجھن

پھر بہاروں میں کوکتی امید
پھر خزاں میں جھلس رہے خرمن

ایک بوڑھا چنار کڑھتا ہے　　ایک وادی کا لُٹ رہا ہے چمن
ایک دیوار پر سوار گھمنڈ　　ایک پانی کی دھار ہے کہ مگن
چشمِ بد دور لوگ ہیں جن کا　　گھر بھی اپنا ہے اور اپنا وطن
گھیر لیتی ہے لمحہ بھر میں گھٹا　　پھر بلکتا ہے دیر تک ساون
برف موسم اکڑ گیا رقاص　　رقص روٹھا ہے تنگ ہے آنگن
"بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا"　　دل کی دشمن ہے اپنی ہی دھڑکن
بے ستوں سے نپٹ رہا ہے جنوں　　سانس روکے ہے منتظر برہن
چاند سے تابدار اتری تھی　　میری کھڑکی میں بجھ گئی ہے کرن
آگ دولت ملی سمندر کو　　اور عازمؔ کو شاعری کا فن

*

شفق اندام سرخ رو ہے شام　　جاتے سورج نے کچھ کہا ہوگا
بس کہ چھو کر نکل گیا سورج　　روئے ظلمت دمک رہا ہوگا
اف کہ پھولی ہے آرزو کی سانس　　ڈور کا تو کہیں سرا ہوگا
گھپ اندھیرا ہے، اپنے کانٹے سے　　کسی غنچے کا خوں ہوا ہوگا
یہ زلیخا کا سحرِ زلفِ دراز　　چاہِ یوسف کے رنگ کا ہوگا
دشت جو جل رہا ہے، اس کو قیس　　شہر کہہ کر پکارتا ہوگا
بو رہا تھا وہ رات بھر آنسو　　دن کو سورج سے کھیلتا ہوگا
گیت کو دھوپ میں نہ لے آؤ　　خواب شرماگئے تو کیا ہوگا
تلخ شیریں سروں میں گاتا ہے　　کوئی عازمؔ کا ہم نوا ہوگا

*

نرم پوروں سے تھکی آنکھوں کو سہلائے گی
نیند آئے گی، پھر اک خواب جگا جائے گی

اپنے شہپر سے ہوا دے کے اڑا لے گی ہمیں
شوخ مینا کسی کہسار پہ چھوڑ آئے گی

شہر آہن میں جھلستی ہے ابھی خواب پری
کسی پاتال کے چشمے میں نہا آئے گی

ایسی نربل بھی نہیں نرگسِ بیمار کی آنکھ
میری وادی میں کھلے گی تو نظر آئے گی

اب کہ سورج کو شبِ تار کا کچھ فیض ملا
روشنی حسنِ مقدر کی قسم کھائے گی

آج کچھ تیز پھدکتی ہے غزل کی بلبل
پھول سے روٹھے گی تو ریل سے ٹکرائے گی

صر صر دشت حقیقت ہے یہ عازمؔ کی فغاں
خواب وادی کے خریدار کو تڑپائے گی

*

شعلۂ شمع کو شب تاب بنا دیتے ہیں
زرد رُو ہونے پہ سورج کو بجھا دیتے ہیں

ہم کو منزل کی تمنا بھی سفر بھی مرغوب
زندگی کو بھی دمِ مرگ دعا دیتے ہیں

تاکہ تعبیر کی دریوزہ گری سے چھوٹیں
رقصِ شب تاب میں خوابوں کو جلا دیتے ہیں

کربِ تنہائی میں یہ فکرِ سخن کے دھارے
دل کو اک ربطِ مقدس کا پتا دیتے ہیں

اپنے ہی سچ سے لپٹتے ہیں چمٹ جاتے ہیں
اپنے ہی گھر میں وہ زندان سجادیتے ہیں

عشق اسرار سجا لاتا ہے افسانوں میں
لوگ اسرار کو افسانہ بنادیتے ہیں

ہر نیا باب بعنوانِ سراب آتا ہے
درس تاریخ کے اوراق بھی کیا دیتے ہیں

دھات کے ٹکڑے بھی مرکز سے وفا کرتے ہیں
ہاتھ میں آپ کے جو قبلہ نما دیتے ہیں

وہ اجالے کہ ہیں بیداریٔ دل کے ضامن
سب کو نیند آئے تو عازمؔ کو جگا دیتے ہیں

*

باغ سارا دھواں دھواں ہے آج — آگ اپنا رواں رواں ہے آج
پھول کا زخم چاٹتی تتلی — سینۂ غنچہ میں سناں ہے آج
خار و خاشاک حاصلِ خرمن — بے ثمر دامنِ خزاں ہے آج
ترسے ہونٹوں پہ مرثیے آئے — اوس انگار پہ تپاں ہے آج
کن اندھیروں نے کھا لیا سورج — چاند پیلا پڑا کہاں ہے آج
گھر کی چھت سے الجھ رہے ہیں چراغ — دل کا شعلہ عذابِ جان ہے آج
عدل پرور کی آبرو پر بھی — آبِ شمشیر کا گماں ہے آج
صدفِ اشکِ غم ہے پیر مغاں — ہدفِ تیر ہر جواں ہے آج
خوابِ خوباں کہ سہمے سہمے ہیں — مرگِ تعبیر کا سماں ہے آج
پال رکھتی ہے روئدادوں کو — لال جو زخم کی زباں ہے آج
عازمؔ افسردہ ارضِ غربت میں — اپنی بستی کا نوحہ خواں ہے آج

*

فغاں بطرزِ ہزار کرلے — خزاں کو رشکِ بہار کرلے
کراہ سے گریہ سے گرج سے — سکوت کو تار تار کرلے
مہیب شب کی ہلاکتوں پر — لہو کے شعلوں سے وار کرلے
یہ لمحہ تیرا ہے اس کے دم سے — زماں کی سرحد کو پار کرلے
جہاں بھی دیوار ہو گرادے — یہ جرم تو بار بار کرلے

جو خواب میں دعوتِ سفر دیں — تو خواب پر اعتبار کر لے
صداقتِ انبساطِ غم پر — فدا دلِ سوگوار کر لے
عطائے کامل ہے رقصِ بسمل — خطائے قتلِ قرار کر لے
گناہِ ناکردہ کی کسک کو — چراغِ لوحِ مزار کر لے
فروغِ جاں ہے متاعِ نادر — بس اپنے عازمؔ سے پیار کر لے

*

دامنِ دل پہ کچھ ستارے ہیں — آخرِ شب کے کیا اشارے ہیں
سب سمندر ہیں آپ کی جاگیر — سانس کے دو بھنور ہمارے ہیں
آپ کی آنکھ کے جھپکنے میں — برق و حاصل کے استعارے ہیں
وہی سرمایۂ حیات ہوئے — عاشقی میں جو کھیل ہارے ہیں
اف وہ انجم جو مادرِ شب نے — آرزوئے سحر پہ وارے ہیں
عشقِ معصوم کے صنم خانے — فکرِ گستاخ نے سنوارے ہیں
خامہ آتش کدے میں اترا ہے — جامۂ شعر میں شرارے ہیں
کتنے نالے جگر میں ٹوٹ گئے — نارسائی کے ڈر کے مارے ہیں
گوشۂ خلد میں ہے پردیسی — دل پہ یادِ وطن کے آرے ہیں
کاش اب گھر سے فون آجائے — آؤ! ڈل جھیل میں شکارے ہیں
جن کو عازمؔ غزل نے چوما ہے — بحرِ موّاج کے کنارے ہیں

شکارے: ڈل جھیل کی چھوٹی کشتیاں

*

دشت کاٹا تو لہو شہر نظر آئے گا
اور پھر شامتِ اعمال کہ گھر آئے گا

بلبلا سطح پہ آجائے گا دم بھر ہی کو
چیر کر سینۂ دریا کو مگر آئے گا

کسے معلوم کہ وہ آگ ہے یا ابرِ کرم
لوگ اس بات پہ خوش ہیں کہ ادھر آئے گا

قاضیِ شہر سے لے گا سندِ حسنِ عمل
اور پھر تیغ بکف تاج بسر آئے گا

پر شکستہ ہے مگر مائلِ پرواز ہے دل
جانے کس وادئ خونیں میں اتر آئے گا

دوڑنے دو کہ سمندر نے بلایا ہے اسے
یہی دریا پھر اسی دشت میں در آئے گا

سبز کانٹوں کی اداؤں کو رجھانے والا
عازمَ آئے گا ذرا دیر سے، پر آئے گا

*

پیاسا پیڑ تھا، زرد رتوں کا مارا تھا
بانکا البیلی بیلوں کا سہارا تھا

پانی کیسے صحنِ چمن تک آجاتا
دھارا خود یخ بستہ ہوا کا مارا تھا

ٹہنی پر ایک گونگی بلبل بیٹھی تھی
پھولوں نے کس دل سے کس کو پکارا تھا

قلب و جگر میں یادِ وطن کا کانٹا ہے
دشتِ سفر تو اپنے طور گوارا تھا

شام کا سایہ پڑتے رنگ اڑ جاتا ہے
دن اپنا تو جگمگ روپ گزارا تھا

مہرِ دہاں تک آتے آتے سوکھ گیا
فکرِ سخن کا تیکھا تیکھا دھارا تھا

بادِ خزاں

"آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا"

لحنِ بلبل خمِ نرگس گلِ خنداں چھینا
باغ سے بادِ خزاں نے سر و ساماں چھینا

تازگی صبح سے، غنچے سے چٹک، گل سے مہک
اور کانٹے سے تن سخت کا پیکاں چھینا

نالہ کی رفعتِ پرواز کے بھی پر نوچے
فکر کے بھی خمِ گردن سے گریباں چھینا

اعتبار غمِ دوراں ہی نہیں لوٹ لیا
ساز پُر سوزِ غزل سے غمِ جاناں چھینا

خوئے رم اپنے تڑپنے پہ قناعت کرلے
تنگی فصل نے آہو سے بیاباں چھینا

موجِ نادار ہے اب سانپ دلِ دریا میں
ساحلِ آب سے وہ سروِ خراماں چھینا

اولاً صفحۂ امید پہ پھیرا پانی
اور پھر مصحفِ تسکین کا عنواں چھینا

ہائے وہ شہر کہ ہے شہرِ تمنا میرا
اس کی گلیوں سے جمالِ قدِ خوباں چھینا

سانس روکے ہے کہیں سہمی ہوئی بوئے چمن
پھول انگنائی سے اور طاق سے گلداں چھینا

پھول تو پھول ہیں کلیوں پہ غضب ٹوٹا ہے
درد کل اٹھے گا، اف، آج ہی درماں چھینا

گردشِ وقت نے زنجیر سفر پہنا کر
میرے عازمَ سے فرازِ سرِ ماراں چھینا

[کوہِ ماراں: سرینگر کی مشہور پہاڑی جہاں سے ڈل جھیل سمیت، شہر کا بیشتر حصہ دیکھا جا سکتا ہے۔]

*

موسم کا ہے زمیں کا ہے کس کا قصور ہے
عکسِ چمن سے شیشۂ دل چور چور ہے

گل پر وہاں غبار،یاں دل پر پہاڑ ہے
باطن میں دار پر ہے جو ظاہر میں دور ہے

الفاظ کیا ہیں پردۂ اسرارِ ذات ہیں
جو جوہرِ خیال ہے بین السطور ہے

افکارِ قید ہیں کہ رواں دائرے میں ہیں
آزاد اک شرارِ دلِ ناصبور ہے

تیغِ زباں پہ وحدتِ آدم کا وعظ ہے
لہجے کی کاٹ غمزۂ قلبِ نفور ہے

کرسی نشیں طبیعتوں کے گرم و سرد میں
یا قہرِ بے لگام ہے یا جی حضور ہے

شاہیں فضائے شعر کے افلاک پا گئے
عازمَ غزل پرست غریقِ بحور ہے

*

کل جو سورج نکلے گا وہ ہمارا ہے
کس موہوم امید پہ رات گوارا ہے

دل انگارا بجھ بجھ کے لو دیتا ہے
جانے کس ظالم شبنم کا مارا ہے

درد کی تان کہاں چھیڑوگے مستانو
اب تو نہ وہ میلہ ہے نہ وہ اِکتارا ہے

'سیرِ فلک سے پہلے ہم سے مل لینا'
بحرِ دروں کا معنی خیز اشارا ہے

برجِ محل میں الو کا کاشانہ ہے
صحنِ گلستاں میں بلبل آوارہ ہے

عازمؔ ہاتھ میں پتھر اور زبان پر گیت
چلئے، آج تو شہر ایسا ہی سارا ہے

*

سطح پر ایک بلبلا آیا
قعرِ دریا میں کیا چھپا آیا

مشعلِ لالہ کی زیارت کو
باغ میں ایک دل جلا آیا

اپنے شیطاں سے ہم کو لڑوانے
ایک اچھا بھلا خدا آیا

قافلہ بادہ مست آیا ہے
ہم تک اس شب کا ماجرا آیا

رقص کرتی کرن ملی خود سے
عکس آئینہ توڑتا آیا

ایسے وحشی سے کیا ملاتا آنکھ
ریچھ پانی سے بھاگتا آیا

ابتدا ہی سے خشک لب تھی پیاس
اب تو موسم بھی آگ کا آیا

شام! اپنا چراغ لے آنا
دن تو اپنا دیا بجھا آیا

صبح سورج لہو لہو ابھرا
کن ستاروں کا خوں بہا آیا

ایک صورت سے جاں چھڑانے کو
شہرِ صورت گراں کو ڈھا آیا

مدعائے قلم کے حصے میں
مقتلِ حرف بے صدا آیا

بزمِ عازمؔ میں لے گیا کوئی
ایک دل باز سے ملا آیا

*

رہزنوں کو پچھاڑ آئے تھے کس نے منزل پہ قافلے لُوٹے
بات کیسی کہی تھی ظالم نے لاڈلے بس لہو بہائیں گے
رات کرب و بلا میں کاٹی ہے صبح غنچے صبا سے ڈرتے تھے
قہرِ طوفاں سے پنجہ زن ہیں پیڑ گھونسلے گر رہے ہیں شاخوں سے
یہ مزاجِ غزل نہیں لگتا شعر عازمؔ نے ہی سنائے تھے

*

ابرِ کرم نے ہن برسایا پھر مسکن پہ مسافر آیا
میں کیسا بھولا تھا، کہاں تھا شہر پرایا، شہر پرایا
دیواروں سے سر ٹکرا کر دیوانے نے دل بہلایا
ٹُوٹا طائر پیڑ پہ بیٹھا واہ ہری ٹہنی کا سایا
دل میں درد کی کلیاں پھوٹیں صحرا میں گلشن کھل آیا
تیری طبیعت طرفہ تماشا سادہ دلی نے دھوکا کھایا
دیپ دریچے میں رکھ دینا ذوقِ سفر نے پھر برمایا
رات کی پچھلی آن کی شوخی خود سوئی سورج کا جگایا
کوئل خود لمحہ بھر کُوکی صحرا کو پہروں تڑپایا
آج غزل کی لے تیکھی ہے عازمؔ نے خود ساز اٹھایا

*

رات کے گیسو میں جگنو چمکائیں گے
چاند ستارے آئیں گے جب آئیں گے

جب ہم موجِ صبا تھے عرضِ چمن کم تھا
اب شبنم ہیں غنچے میں آجائیں گے

وادیٔ گل کی بادِ صبا کے متوالے
جس صحرا میں جائیں پھول اگائیں گے

ناہنجار اندھیروں کے اس موسم میں
تیرے آنے تک خود میں چھپ جائیں گے

بات زبان تک آکے ہوا ہوجاتی ہے
لحنِ سکوت سے بزمِ جنوں گرمائیں گے

برق قدم کچھ رہرو آنے والے ہیں
راہوں کو ہم اور ذرا پھیلائیں گے

روشنیاں اس جیت کا جشن منائیں گی
ساتوں رنگ آپس میں اگر مل جائیں گے

لوگ اپنے اپنے آنگن پر مرتے ہیں
ہم دیواروں سے کیا سر ٹکرائیں گے

اے دریا! ہم خالی دامن کیا لوٹیں
بے بادل ہم کیا بارش برسائیں گے

عازمَ تم صحرا میں صدائیں دیتے رہو
پھر پو پھوٹے گی پھر پنچھی گائیں گے

*

ان کا فراز بام بھی بندے کا گھر بھی ہے
زنجیر بھی ہے پاؤں میں ذوقِ سفر بھی ہے

سحرِ شبِ شریف بھی دل کو پسند ہے
شدت سے انتظارِ طلوعِ سحر بھی ہے

یوں آفتابِ پیر سے جو بے نیاز ہے
یہ دَور باندازِ دِگر دیدہ ور بھی ہے

اک ساعقے سے بند ہوئی نبضِ کائنات
دم بستہ رسمِ گردشِ شمس و قمر بھی ہے

وہ چہرہ ،چہرہ بھی ہے اور آئینہ بھی ہے
اندوہِ امتحاں بھی ہے لطفِ نظر بھی ہے

روئے بہار سبز خزاں زرد رنگ ہے
سورج ترا کرشمہ اِدھر بھی اُدھر بھی ہے

عازمَ بہارِ نغمہ متاعِ سکوت ہے
پھر تیرے پاس بے ہنری کا ہنر بھی ہے

*

شغل معصوم سا ہے، شعر سنانے کا ہے / حیلۂ شوخ کسی بزم میں آنے کا ہے

پھر وہی خواب جسے خوابِ تمنا کہئے / آگ ندی کے تلاطم میں نہانے کا ہے

شام آئی ہے تو پھر ڈوب گئی ہیں پلکیں / کہ یہی وقت مرے دیپ جلانے کا ہے

پھول کی گود میں آسودہ ہے گم سم بھونرا / میرے موصوم لڑکپن کے زمانے کا ہے

دل کو تڑپاتے ہیں اَن دیکھی رتوں کے ارماں / صدمہ بھی موسمِ گل پوش کے جانے کا ہے

معجزہ ایک ہی ہے غنچۂ گل اور دل کا / چاک ہونے کا ہے، اور خوں میں نہانے کا ہے

ہائے اک شہر کی ویران گزرگاہوں میں / دفن ارمان مرا پھول بچھانے کا ہے

شعر کے روپ میں افسانہ سنادیتا ہے / اپنا عازمؔ تو کسی اور زمانے کا ہے

*

کربِ تاریکی میں تاروں کی بہار
کچھ تو جگنو بھی کریں گے یلغار
وقت نے پیڑ پہ پت جھڑ لکھا
پیڑ نے پالی ہے رگ رگ میں بہار
راہ کیوں بھول گئی ہے برکھا
اے مرے پیاسے پکھیرو! ملہار
لفظ تھک ہار کے منہ تکتے ہیں
آہ بن جاتی اپنا اظہار

*

غزل پر غزل گنگناتے ہیں شاعر — بڑا طبلۂ دل بجاتے ہیں شاعر
شبِ ہجر کے دشت میں دندنا کر — غمِ عشق کی گرد کھاتے ہیں شاعر
فریبِ تخیل کی کرتے ہیں کھیتی — تو امرت پہ کائی اگاتے ہیں شاعر
تھکے قافیوں کی قبا کا کرشمہ — بجھی فکر کو ڈھانپ لاتے ہیں شاعر
غزل گاہ میں کوہکن کی مدد سے — ردیفوں کے پتھر بچھاتے ہیں شاعر
فعولن فعولن غباروں میں بھر کر — خودی کو خلا میں اڑاتے ہیں شاعر
کسی کھوکھلے استعارے کے اندر — جنونِ عمل کو سلاتے ہیں شاعر
تغافل سے گل کے جو بلبل پہ بیتی — کلی کو گلی میں سناتے ہیں شاعر
نہ سولہ سے نیچے، نہ سترہ سے اوپر — صنم کا جنم دن مناتے ہیں شاعر
تری دید کی آرزو کے ستائے — ہری گھاس پر سوکھ جاتے ہیں شاعر
ترے روبرو مدعا کیا کہیں گے — حیا دار ہیں لِکھ کے لاتے ہیں شاعر
جہاں سے تجھے مدعی لے اڑا تھا — وہیں اب رجز گانے جاتے ہیں شاعر
خود اپنا قصیدہ لکھے کوئی عازمؔ — تو محفل میں اس کو بلاتے ہیں شاعر

*

آگ کو جامہ کروں، رقص طرب ناک کروں
دولت دیدۂ تر صرف رگ تاک کروں
نگہِ ناز کی تائید ہنر کے صدقے
پرِ پروانہ سے پیمائشِ افلاک کروں
نیند کے شہر میں اک لہر نے کروٹ لی ہے
خاطِر خواب کا شعلہ سرِ خاشاک کروں

کس کرامات سے پتھر سے نچوڑوں پانی
سنگ الفاظ کو کس رنگ غزلناک کروں
آپ کے عازمَ شب سوز کا ہم چشم ہوں میں
آگ کو جامہ کروں رقص طربناک کروں

*

نشیبِ بحر میں ہے موجِ بے قرار ابھی
کہ چاند کا ہے سمندر کو انتظار ابھی
وہ رنگ اداس ہوئے جو زکوٰۃ موسم تھے
ترنگ میں ہے مگر روحِ نو بہار ابھی
ہمارے نام پہ ہر شام دیپ جلتے ہیں
کہ ہے غریب سے اہلِ وطن کو پیار ابھی
گئے دنوں کے تعلق کی سبز یادوں سے
بریدہ شاخ پہ بلبل ہے نغمہ بار ابھی
زہے نصیب کہ خود سے ہے ہمکلام عازمَ
بھلے ہی بحر میں ہے موج مستعار ابھی

الف

الف!
یہ تیری قامت راست
میری آنکھوں کی بینائی

ب پ ت
کچھ نقطوں کے اوپر نیچے

موسم

وقت کے عقبی دروازے سے
در آئی اک صبح گزشتہ
چونچیں مار کے قلب و جگر کو چیر رہی ہے
کھڑکی کی درزوں سے دھوپ نے جھانکا تھا

اوندھے منہ افتادہ ہیں
ج اور چ ہیں ٹیڑھے میڑھے
ع اور غ ہیں آڑھے ترچھے
د اور ذ ہیں پشت خمیدہ
ق اور ن کا پھولا پیٹ
ک ہو، گ ہو
ل ہو، م ہو
تیری راست نصیبی کس نے پائی ہے
تو حرفوں کے صفحے پر ہے
تنہا سیدھی قامت والا
اور میں۔۔۔
جس نے اس جھرمٹ میں
بس اک تجھ کو ڈھونڈ نکالا
تو بھی بے ہمتا ہے
اور میں بھی ممتاز

الف! مری اک خواہش ابھری
تیرے نور کی مدح میں اک سیپارا لکھوں
تیری یکتائی کو تحفہ پیش کروں
قلم اٹھا
تو بات کا روزن بند ہوا
ب پ ت اور ث کو چھوڑوں
تو کیسے جوڑوں الفاظ

میں نے کھڑکی کھولی تھی تو
موجِ ہوا نے میرا چہرہ چوم لیا تھا
اور ابابیلوں نے حکماً
کمرے کی اندرونی چھت پر
اپنا کاشانہ جوڑا تھا
میری پیاسی نظروں اورابابیلوں کا
پیہم انتھک رقص ہواتھا

دشت زماں کی سرگردانی میں دن کیسے بیت گیا
چھت پر لٹکا بھوت کی آنکھ کا خالی حلقہ گھُور رہاہے
دھوپ کہیں پژمردہ پڑی ہے
کھڑکی کھولوں
انجر پنجر برف ہوا کی کاٹ سے
کاٹھ کا ہوجائے
بھولی نظر کس بوتے پر آنچل پھیلائے ؟
کمرے میں آئیں گی ابابیلیں تو کیسے ؟
(کشمیری سے ترجمہ)

اس الجھن میں
تیری اکہری سیدھی قامت
پلٹ پلٹ کر
چشم قلم نے کیا دیکھا۔۔۔
ب پ ت اور ث میں لیٹا
ع اور غ میں اکڑوں بیٹھا
ق اور ن میں وا آغوش
ک اور گ میں خود ہی خود کو سہارا دیتا
اچھر اچھر میں سب بھیس بدلتا
ایک ہی عشوہ طراز
لام کی گود میں ایک الف ہے
اور الف میں لام اور ف

الف!
مرے تنہا خوش قامت
تیرے نام کی مدح کروں
کس اچھر کو غیر کہوں
کس سے رکھوں دامن دور

(کشمیری سے ترجمہ)

العطش

تیرا کیسا جھنجھٹ، پانی!
بحر سے بالِ ہوا لے آئے،

باز دید

جگ جگ بیتے
کاخ بلند کا اک اک شیشہ چُور ہوا
کھڑکی کھڑی، دروازہ ٹوٹا
اور چھت ٹپکی
ٹپ ٹپ ٹپ
روشن دانوں پر مکڑوں نے جال بُنے ہیں
دھوپ کی کرنیں ٹھٹھر ٹھٹھر کر بھاگ آئیں
نور کے آقا!
اس ظلمت میں سانس اکھڑ جائے گی
بچا!

میرے شوق کی نظروں کے رنگین پروانے
ریگتے رینگتے گھس جاتے ہیں
کھوجتے ہیں دیواروں پر
چھت سے رِستی بوندوں کی تصویر کشی
بھاگتے لمحوں کے البیلے نقش قدم:

قلۂ کوہ پہ دے مارے
برہم دریا
پتھریلی راہوں پہ گھسیٹے، لوٹا دے
آواگون سے جی تو جل جاتا ہوگا؟

یاد ہے
ذی روحوں کے سہارے!
تو نے اپنے بیری منہ کو ٹیڑھا کر کے
سینہ پھلا کر
زیست کا ستیا ناس کیا تھا؟

شاخ شجر کی ناؤ بنانے والا کوئی
تیری قہری لہروں کو
پامال نہ کرتا
تیرا شکوہ کرنے کو بھی آدم زاد کا
نام نہ رہتا

تجھ کو پانی پانی کردوں؟
تپتا صحرا
پیاسے معصوموں کی دُہائی
کس خونی خنجر کے خوف کا مارا تھا تو؟
تجھ کو لینے کیوں نہ عقابی پر پھیلائے آئی ہوا؟
تب تیرا کہسار شکن مقدور کہاں تھا؟
کوئی اپنی موجۂ خوں سے

بن مینا کی کالی آنکھوں کے
سائے میں ابلتے
چشموں کی بل کھاتی لہریں
جانے کب سے اس کھڑکی سے یوں لٹکی ہے
تھکی ہوئی ہے
اور ادھر اک نیم بریدہ سبز کبوتر
آرزوئے پرواز میں چھت کے اک تختے میں
آویزاں ہے
رحم طلب نظروں سے اپنے
خاک و خس میں بجھنے والے
شعلۂ خوں کر گھور رہا ہے

کھڑکی کی دہلیز سے آگے
جانے اس چوہے کی جاں کیسے نکلی ہے
بلی بے چاری تو یہاں آنے سے رہی
(چوہا بھی آبادی ہی میں جی سکتا ہے)
کیا تم کو بھی چوہے سے گھن آتی ہے؟
کھا تو نہیں جاتا ہے کسی کو
پھر بھی اس کی آہٹ سے

خود اس ریت کو سینچ نہ لیتا
تیری آنکھ میں پانی تھا؟

پانی!
میرے مسافر ساتھی!
اک دن سورج میرے سر پر
اور تو میرے سامنے
سپنا دیکھ رہا تھا
میں نے تیرے سینے کے گھوارے میں
اک چھایا دیکھی
بالکل میرا چہرہ مہرہ
رقص جنوں میں لہریں اس کو ڈھنکتی تھیں
(تجھ کو ڈھنکنے کو بھی آخر کون ملا!)

پانی! جب تو پیڑ کی رگ رگ سینچ کے پھل میں آجاتا ہے
ساتھ میں کیا کیا لے آتا ہے؟
مجھ کو پیڑوں پودوں میں اپنے پرکھوں کی بو ملتی ہے
دست ہوا کا سب بکھرا بکھرایا دم میں سمٹ جاتا ہے
شارع وقت کے دونوں سرے جڑ جاتے ہیں
دیکھا!
تجھے جب میری خاکستر مل جائے
غنچۂ گل میں سمو دینا

(کشمیری سے ترجمہ)

آدم کی شریف اور پاک اولاد کی راتیں
اکثر لٹ جاتی ہیں
کیسے کیسے زیرک فلسفہ دان
چوہے نے کتر لئے ہیں
آہٹ پاکر تیز اساڑھ کی دھوپ میں سارے
موم کی صورت پگھل گئے ہیں
میں نے بھی اک نٹ کھٹ چوہا
دانے دانے کو ترسا کر مار ہی ڈالا
لیکن مجھ پر ٹوٹ نہ پڑنا
جب مسکن کی چھت ٹپکے تو
کون کہاں سے دانہ پانی ڈھونڈ کے لائے

بن مینا اور نیم بریدہ سبز کبوتر
میں اور میرا جاں سے گزرتا نٹ کھٹ چوہا
پھسلن والی اک ڈھلوان پہ اٹکے ہیں
آگے کو جو پاؤں اٹھائیں
پیچھے کو پھسلا جائے ہے

(کشمیری سے ترجمہ)

فارسی اشعار

1

دریں جلوت سرا خلوت گزینم
کہ من جز خویشتن کس را نہ بینم
بتاں را از سجودے دل گدازم
ادا فہمِ طلسمِ کفر و دینم
پر و بالم گرفت آتش بدامن
قریبش گشت فکرِ آتشینم
سزد گر نقشِ خود بر من بریزی
”بلا انگشتری و من نگینم“
زباں را درکش اے ذوق فغاں تو
کہ من رازِ نگارے را امینم
چو عازمَ انگبیں از پارس آرم
زبان ار می کشاید نازنینم
[5 مارچ 1956]

(2)

ساقیا مست طواف در تو یارانند
این چہ عالم، ہمہ گریانند و ہم شادانند
آخرش عمر فنا کوش بکار آمدہ است
بتو اے بخت خوش آثار باطمینانند
ضرب مژگان تو خوردند و بساز آمدہ اند
نیست از گردش گردوں کہ چنیں نالانند
شوخ طبعان محبت بخود و بیدارند
کہ بصحرائے جنوں اسپ طلب می رانند
علم انگشت بلب، سر بگریبان دانش
کہ ز اسرار مقامات سفر نادانند
شان تو گر تو بشان چشم کرم بکشائی
من نگویم کہ بیک نیم نظر ارزانند
مست مرغان غریب الوطن و سینہ فگار
بسکون دل خود بر در تو حیرانند
تا غمِ خانہ حجاب چشمِ حیراں نشود
بفراموشئ کاشانہ بجاں کوشانند
جذبِ شان را مدہ از پرسش احوال بباد
این زماں غرق سرور نظر از دل و جانند
بکرم آ تو کہ ناگفتۂ شاں می دانی
تو کہ دارائی و در کوئے تو محرومانند
عازمَ گنگ درین انبوہِ مستاں آمد
ہمہ شاں حرف تمنا بزبانش خوانند

(1992)